

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَشْرَاقِیَّت

کوئی دعوتِ حق دنیا میں شکر اور تہنیتِ خیر نہیں جو سکتی جب تک اس کے ساتھ ایک تدریجی اور مستقل پروگرامِ تربیت کا نہ ہو۔ اس چیز کے لیے یوں تو ہر دعوت و تحریک کی فطرت تقاضا کرتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ایک دعوتِ حق میں تو یہ ایسا لازمی جز ہے کہ اس کے بغیر دعوتِ حق کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ جیسا کہ پچھلی صحبتوں میں معلوم ہو چکا ہے۔ زندگی کے کسی ایک ہی گوشہ کو متاثر نہیں کرتی بلکہ اس کے تمام ظاہر و باطن کو ایک نیا جلوہ دیتی ہے، اور صرف کسی جزوی تہدیبی ہی کا مطالبہ لے کر نہیں اٹھتی۔ بلکہ ہماری ساری انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے ایک بالکل نیا سانچہ اور نئی اسکیم پیش کرتی ہے اس وجہ سے اس کا مزاج ہی یہ ہے کہ یہ جس تدریج و ترتیب کے ساتھ نمود آگے بڑھتی ہے اسی ترتیب و تدریج کے ساتھ اس کے بالکل متوازی، ایک تربیت کا پروگرام ہوتا ہے جو اہمیت میں کسی طرح بھی اصل دعوت سے کم نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تربیت کی اہمیت اصل دعوت سے کچھ زیادہ ہی ہوتی ہو تو شاید مبالغہ نہ ہو کیونکہ یہ تربیت ہی ہے جس کی وجہ سے کوئی دعوت دلوں میں جڑ پکڑتی، پھرتی پھرتی پانی، پھر برگ و بار لاتی ہے یہاں تک کہ ایک دن اپنے فوائد و برکات سے زندگی کو لامال کر دیتی ہے۔

ایک دوسری حق کے کام کی صحیح مثال ایک دہقان کے کام سے دی جاسکتی ہے جس طرح اس کا مقصد صرف اتنی بات سے حاصل نہیں ہو سکتا کہ کچھ بیج کسی زمین میں ڈال کر فارغ ہو بیٹھے اسی طرح ایک داعیِ حق کا کام تمنا اس سے انجام نہیں پاسکتا کہ لوگوں کو کچھ وعظا سنا کر رہے بلکہ اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے نظریہ ہی ہے کہ اس کے اندر اپنی پھیلائی ہوئی دعوت کے ساتھ وہی لگاؤ جو جو ایک فرض شناس کسان کو اپنے بونے بونے بیج کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح وہ نگرانی کرتا ہے کہ بیج زمین میں جڑ پکڑے، اس کو صحیح وقت پر پانی ملے، موسم کی ناسازگار یوں سے محفوظ رہے، صحیح طور پر نشوونما پائے، بیگانہ سبزے اس کی ترقی میں مزاحم

ذہبوں، فضا کے پرندوں اور زمین کے پرندوں کی تاخت سے وہ سلامت رہے، اور اس کے لیے برابر اپنے دن کے اطمینان اور رات کے سکون کو وہ درہم برہم رکھتا ہے، لگاتار غمت اور مسلسل نگہداشت کرتا ہے، تب جا کر کہیں اپنی محنت کا پھل پاتا ہے، اسی طرح ایک داعی حق کو بھی اسی صورت میں اپنی دعوت کو پھلتے پھوننے دیکھنا نصیب ہوتا ہے جب وہ دعوت کے ساتھ ساتھ تربیت کی جانگاہیوں کے ایک طویل سلسلہ کو چھیننے کی قیامت اور عمت رکھتا ہو۔ ورنہ جس طرح ایک غافل کسان کے بوئے ہوئے بیج زمین اور موسم کی بے خبری اور چرند و پرند کی ترکتازیوں کی نذر ہو جاتے ہیں اسی طرح ایک داعی کی دعوت بھی صدالصحرا ہو کے رہ جاتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے طریق دعوت و تربیت پر غور کرنے سے جماعتی تربیت کے لیے جو اصول مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے بعض اہم چیزوں کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ جماعتی تربیت کا سب سے پہلا اور سب سے اہم اصول یہ ہے کہ داعی کو تعلیم و دعوت کے کام میں جلد بازی سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس کو یہ یاد رکھتے رہنا چاہیے کہ تعلیم کی جو خوراک اس نے دی ہے وہ اچھی طرح مضموم ہو کر لوگوں کے فکر و عمل کا جزو بن گئی یا نہیں؟ اس کا پورا پورا اندازہ کیے بغیر، اگر مزید غذا دیدی گئی تو اس کا نتیجہ صرف فساد و مسمومہ اور سو، مضموم کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ جن لوگوں نے داعیان حق کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات سے ناواقف نہیں ہیں کہ ہر داعی حق سے اس طرح کی جلد بازی کے لیے دو طرفہ مطالبہ ہوتا ہے جو لوگ دعوت کو قبول کر چکے ہوتے ہیں وہ حق کی لذت سے ابھی نئے نئے آشنا ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ نئی نئی آشنا ان میں حق کی ایسی بھوک پیدا کر دیتی ہے کہ تدریج و ترتیب کا پروگرام ان پر بہت شاق گذرتا ہے۔ وہ شدت شوق بلکہ حرص حق میں اس طرح مبتلا ہو جاتے ہیں کہ نہ تو اپنی بھوک اور قوت مضموم کا صحیح اندازہ کر پاتے نہ جاننے والوں کے دوسرے کمزوروں کی کمزوری کے ساتھ انہیں کچھ ایسی ہمدردی ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو بھی اپنی اصل حیثیت سے زیادہ تولتے ہیں اور اپنے کمزور ساتھیوں کو بھی اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ اس کے سبب ان کے طرف سے برابر ہل من مزید کا مطالبہ رہتا ہے۔ ان کے ماسوا دوسرے لوگ۔ جو ابھی دعوت کے مخالف ہوتے ہیں، وہ دعوت کے کمزور پہلوؤں کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ وہ اگر اس کے پیش کردہ پروگرام میں حریف گیری کی کوئی

گنجائش نہیں پاتے تو یہی مطالبہ شروع کر دیتے ہیں کہ اپنا پورا پروگرام پیش کرو۔ ان کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز فوراً سامنے نہ آئی تو وہ لوگوں پر یہ ظاہر کر سکیں گے کہ یہ محض ایک بے مقصد اور مجہول دعوت ہے۔ اس کے آگے نہ کوئی تین منزل مقصود ہے نہ اس منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی واضح اور مضبوط پروگرام ہے اور اگر کوئی اسکیم پیش کی گئی تو اس میں کوئی نہ کوئی رخ نہ ڈھونڈ کر لوگوں کو دکھا سکیں گے۔ اور اگر کوئی رخ نہ تلاش کے باوجود بھی نہ مل سکا تو اس کو پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

ایک سچے داعی حق کے اندر تبلیغ حق کی ایک خواہش خود ہی دہی ہوئی ہوتی ہے جو اتنی قوی ہوتی ہے کہ اللہ کی بخشش ہوئی حکمت اگر اس کی نگرانی نہ کرے تو صبر و انتظار اور تدریج و ترتیب کے حدود و قیود کی وہ کبھی پابند نہ رہ سکے۔ اس خواہش کو یہ دو طرفہ مطالبہ جب مشتمل کر دیتا ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ داعی میان روی کی اس روش سے ہٹ جاتا ہے جو اس کے مقصد کی حقیقی کامیابی اور جماعت کی صحیح تربیت کے لیے ضروری ہے۔ ہر چند حق کی صحیح قدر شناسی کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے لیے آدمی میں نہ زیادہ کی سی بھوک ہو جو اسے مضطرب بھی رکھے، بے صبر بھی بنا دے اور جلد بازی پر بھی مجبور کر دے لیکن حق کی قدر شناسی اور محبت کے مطالبہ سے جماعت کی تربیت کا مطالبہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان صحیح صحیح توازن قائم رکھے۔ اگر پہلی چیز کا تقاضا اس کو جلد بازی کے لینے بچین کرے تو چاہیے کہ دوسری چیز کا مطالبہ اس کو انتظار پر مجبور کرے۔ اگر اعلان حق کا شوق اور حمایت حق کا جذبہ اس کو اکسائے کہ وہ تہ اہل شوق کے شوق کو تشنہ چھوڑے نہ معاندین پر اتمام حجت میں کوئی کسر باقی رہنے دے تو چاہیے کہ تربیت کے اہتمام کے لیے وہ اس پر بھی نظر رکھے کہ کہیں شراب قدح خوار کے ظرف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔

جب کبھی ایسا ہوا ہے کہ پہلا جذبہ اس قدر غالب آ گیا ہے کہ دوسرے پہلو کی پوری رعایت نہیں ہو سکی ہے تو جماعتی تربیت میں ایسا نقص رہ گیا ہے کہ بعد میں اس کی تلافی نہیں ہو سکی ہے۔ اسی رخ سے

شیطان نے جماعت کے اندر گھس کر انڈے بچے دیدیے اور پھر اس کے پھیلائے گئے فتنوں کے لپیٹ میں پوری جماعت آگئی۔ اس کی سب سے زیادہ عبرت انگیز مثال ہم کو بنی اسرائیل کی تاریخ میں ملتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکل کر سینا میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو احکام شریعت سے آگاہ کرنے کے لیے طور پر بلایا اور اس کے لیے ایک خاص دن معین فرما دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس معین دن سے پہلے ہی طور پر پہنچ گئے۔ ان کے اندر اللہ کے احکام معلوم کرنے اور اس کی رضا طلبی کا جو جوش و جذبہ تھا اولاً تو وہ خود ہی اتنا قوی تھا کہ باریابی کا اشارہ پانے کے بعد وقت اور تاریخ کی پابندیاں اس پر شاق تھیں۔ ثانیاً قوم کی طرف سے ہر قدم پر جو مطالبے پر مطالبے ہو رہے تھے اس سے بھی اس جذبہ کو تحریک ہوئی ہوگی۔ اگرچہ یہ جذبہ نہایت اعلیٰ اور محمود جذبہ تھا، اور طور پر معین وقت سے پہلے پہنچ جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ اللہ کے احکام معلوم کرنے کے لیے نہایت بے چین اور مضطرب دل رکھتے ہیں لیکن اس معاملہ کا ایک دوسرا قابل اعتراض پہلو بھی تھا، جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر نہیں گئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فوراً بلانے کے بجائے ان کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا تو اس سے منشاء انہی یہ تھا کہ یہ وفد قوم کی تربیت میں صرف کریں اور جن اصولی باتوں کی ان کو تسلیم وی جا چکی ہے اس کو اچھی طرح ان کے اندر پختہ کریں تاکہ آزمائشوں اور فتنوں میں پڑنے کے بعد بھی وہ اپنے ایمان و اسلام کو سلامت رکھ سکے۔ لیکن مزید احکام معلوم کرنے کا شوق ان پر اس قدر غالب آگیا کہ تربیت کی اہمیت کا احساس اس کے مقابل میں دب گیا۔ نتیجہ ہوا کہ دین کے دشمنوں نے ان کی اس غیر عاجزی اور قوم کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور قوم کے ایک بڑے حصہ کو گمراہی پرستی میں مبتلا کر دیا اور اس کی ساری ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عجلت پسندی پر ڈالی، جو ہر چند تسلیم و دعوت کی راہ میں تھی لیکن تربیت کی ذمہ داریوں سے غافل کرنے والی ثابت ہوئی۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کی اس عجلت اور اس کے انجام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

اور تم قوم کو چھوڑ کر اسے موسیٰ، وقت معروضہ سے پہلے، کیوں
 چلے آئے؟ انہوں نے کہا وہ میرے پیچھے ہیں اور میں تیرے پاس

وَمَا أَجْعَلُكَ عَنْ قَوْمِكَ يَٰ مُوسَىٰ
 قَالَ هُمَا أَوْكَا عَلَىٰ أَشْرَئِي وَاجْعَلْتُ إِلَيْكَ

سَبِيحًا لِيَتَرَفُّوا - قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمًا
مِن بَعْدِهِمْ وَأَضَلَّاهُمُ السَّامِرِيُّ

اسے پروردگار اس لیے جلدی چلا آیا کہ تیری خوشنودی حاصل
کریں۔ فرمایا تو جاؤ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے چلے آنے
کے بعد فتنہ میں ڈال دیا اور سامری نے ان کو گمراہ کر ڈالا۔

(۴۳ - ۸۵ طہ)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک داعی کا جس طرح یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے احکام و قوانین سے
آگاہ کرے اسی طرح اس کا یہ بھی فرض ہے کہ پورے اہتمام کے ساتھ لوگوں کی تربیت بھی کرے تاکہ اس کی تعلیم
لوگوں کے فکر و عمل کے اندر اس طرح راسخ ہو جائے کہ سخت سخت آزمائش میں بھی ان پر اس کی گرفت
قائم رہ سکے۔ جو داعی صرف تعلیم کے پہلو پر نظر رکھتا ہے اور اس چیز کا شوق اس پر اس قدر غالب ہو جاتا ہے
کہ تربیت کے لیے جو صبر و انتظار مطلوب ہے اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال اس جلد باز قاتح
کی ہے جو اپنے اقتدار کے استحکام کی فکر کیے بغیر مارچ کرتا ہوا بڑھا چلا جا رہا ہے۔ اس طرح کی جلد بازی کا نتیجہ
صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ایک طرف وہ فتح کرتا ہوا آگے بڑھے گا دوسری طرف اس کے مفتوحہ علاقہ میں جنگل
کی آگ کی طرح بناوت پھیلے گی۔

سورہ طہ میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی اس سبق آموز مثال کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عجلت پر گرفت فرمائی ہے جو آپ کے اندر احکام الہی معلوم کرنے کے لیے تھی۔ آنحضرت
بھی اپنے فطری شوق علم اور قوم کی جلد بازی کی وجہ سے چاہتے تھے کہ وحی الہی جلد جلد نازل ہوتا کہ آپ اپنی شوق
علم کو بھی تسلی دے سکیں اور قوم کے مطالبہ کو بھی پورا کر سکیں۔ چنانچہ اسی شوق کی وجہ سے جب وحی الہی اترتی تو
آپ ایک پر شوق طالب علم کی طرح اس کے سیکھنے میں جلد بازی فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات
پر متعدد جگہ آپ کو ٹوکا کہ وحی الہی کی تکمیل کے لیے جو مدت مقرر ہے اس سے پہلے پورے قرآن کے آثار دیے
جانے کے لیے جلدی نہ بچاؤ۔ یہ وقت اور انتظار تمہارے دل کو مضبوط کرنے اور تمہاری قوم کی تربیت کے لیے
ہے تاکہ جو کچھ تمہیں سکھایا جا رہا ہے اس کو تم بھی برواشت کر سکو اور تمہاری قوم بھی اس میں اچھی طرح پختہ ہو جائے۔
وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَنْ
اور قرآن کے لیے، اس سے پہلے کہ اس کی وحی تم پر کھپائے

يُقَضَىٰ إِلَيْكَ وَجِيهَ وَقَلِّ تَرَبُّتٍ زِدْ فِي عَلِيًّا
وَلَقَدْ عَاهَدْنَا إِيَّاكَ مِنْ قَبْلِ فَتَنِي
وَلَمْ نَجِدْ لَكَ عَنْ مَا (۱۱۳ - ۱۱۵ - ط)

جلدی نہ پھاؤ۔ (البتہ) یہ دعا کرتے رہو کہ اسے میرے پروردگار
میرے علم کو زیادہ کر۔ اس سے پہلے ہم نے آدم پر ایک ذرا
ڈالی تھی تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادہ کی ٹھنکی نہیں

اس آیت کے آخر میں جلد بازی سے بچنے اور تربیت کی اہمیت بھی واضح فرمائی کہ انسان میں یہ فطری
کمزوری ہے کہ رغبات اور خواہشوں کے مقابل میں اس کا ارادہ کمزور پڑ جایا کرتا ہے اس وجہ سے ضروری ہے
کہ اس پر جو ذمہ داری ڈالی جائے اس کا پورا شعور پیدا کرنے کے لیے اس کی اچھی طرح تربیت بھی کی جائے
تا کہ وہ آزمائشوں کے مقابل میں اپنے آپ کو ثابت قدم رکھ سکے

اسی تربیت کے تقاضے سے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے اترتا کہ جلد باز مخالفین اعتراض کرتے کہ اگر
یہ اللہ کی کتاب ہے تو یہ جتہ جتہ کیوں اتر رہی ہے، خدا کا علم تو حاضر و مستقبل سب کو گھیرے ہوئے ہے، اس
کو تو نہ سونچنے کی ضرورت ہے، نہ تجربہ کرنے کی اور نہ کسی مصلحت پر نظر رکھنے کی۔ پھر وہ پوری کتاب ایک
ہی دفعہ کیوں نہیں اتار دیتا؟ یہ تو صاف اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنی تصنیف
ہے، غور و فکر اور محنت و تجربے کے بعد جتنی کچھ تیار کر پاتے ہیں اس کو پیش کرتے ہیں!۔ قدرتی طور پر اس
اعتراض کا اثر بہت سے مسلمانوں پر بھی ہوا اور یہ بات خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک
پر بھی گراں گذری لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ تو مخالفین کی جلد بازی ہی کی حوصلہ افزائی فرمائی اور نہ اس غلش ہی
کو کچھ اہمیت دی جو نکتہ چینیوں کے اس اعتراض اور فطری شوق علم کی وجہ سے آنحضرت صلعم اور آپ کے
ساتھیوں کے دل میں پیدا ہوتی تھی بلکہ فرمایا کہ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی تربیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر
احکام تھوڑے تھوڑے کر کے ایک تدریج کے ساتھ اتریں تاکہ تمہارا دل بھی ان کے تحمل کے لیے پوری طرح
مضبوط ہو جائے اور جماعت کے قوی اور ضعیف بھی ان کو اچھی طرح اپنالیں۔ اگر جلد بازی کرو گے تو تمہاری امت
میں کمزوری رہ جائے گی اور جس طرح سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہی میں ڈال دیا اسی طرح کوئی سامری تمہاری
امت میں بھی پیدا ہو کر اس کو گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔

جو تدریج قرآن کے نزول میں ہم پاتے ہیں بعینہ وہی تدریج صحابہ اور بعد کے لوگوں نے اس کے
 سیکھتے اور سکھانے میں بھی ملحوظ رکھی اور اس کی مصلحت بھی بعینہ وہی تھی کہ جو لوگ اس کو سیکھیں اس طرح سیکھیں
 کہ یہ ان کے ذہن و دماغ کے اندر بھی پوست ہو جائے اور ان کی عملی زندگی بھی بالکل اس کے رنگ میں رنگ
 جائے اور یہ بات صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ اس کی تعلیم ایک تدریج کے ساتھ آہستہ آہستہ لوگوں کو
 دی جائے اور ساتھ ہی ساتھ اس علم کے مطابق ان کی تربیت بھی کی جائے۔ چنانچہ حضرت عبدالعزیز بن مسعود
 سے روایت ہے کہ قال کان الرجل منا اذا تعلم عشر آیات لم یجاوزهن حتی یعلم معانیہن
 والعمل بہن ہم میں جو شخص دس آیتیں بھی سیکھ لیتا تو جب تک ان کے علم و عمل میں اچھی طرح پختہ نہ ہو جاتا
 آگے نہ بڑھتا)

۲۔ جماعتی تربیت کی دوسری اصل یہ ہے کہ داعی کیت سے زیادہ کیفیت پر نظر رکھے۔ بسا اوقات ایسا
 ہوتا ہے کہ داعی پر کھوئی ہوئی بھیروں کی تلاش کا شوق اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ وہ گلہ کی بھیروں
 سے غافل ہو جاتا ہے اور اس غفلت کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ تو کھوئی ہوئی بھیروں کی تلاش میں میدانوں
 اور جنگلوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوتا ہے اور ادھر گلہ کی بھیریں یا تو بھوکوں مرنے لگتی ہیں یا کوئی بھیرا باڑ
 کے اندر گھس کر ان کو چیر پھاڑ ڈالتا ہے۔ جہاں تک داعیان حق کا تعلق ہے انہوں سے یہ بے پروائی اور سگانوں
 کو اپنانے کی یہ خواہش ان کے اندر نہایت نیک جذبہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ان پر دعوت کا جوش اس قدر غالب
 ہو جاتا ہے کہ تربیت کے فرض کا احساس اس کے مقابل میں یا تو دب جاتا ہے یا کم از کم موخر ہو جاتا ہے۔
 وہ اس بات کو زیادہ اہمیت دینے لگ جاتے ہیں کہ جو اللہ کے باقی اور نافرمان ہیں وہ پہلے اللہ کا نام لینے
 والے بن جائیں یہی ان کی تربیت و اصلاح تو یہ چیز ہوتی رہے گی۔ بظاہر تو یہ ایک نیک خیال ہے لیکن
 اگر اس کی تہ میں اثر کر غور کیا جائے تو یہی اصل ہے کیفیت کے مقابل میں کیت کو ترجیح دینے کی اور پھر آگے
 چل کر اسی سے یہ غلط نقطہ نظر پیدا ہو جاتا ہے کہ لوگ دلوں کی جگہ سروں کی تعداد گن کر پوری طرح مطمئن
 ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس غلطی سے بچانے کے لیے داعیان حق کو یہ تعلیم دی ہے کہ جو لوگ دعوت سے سگانوں

ہیں ان کو پکارنے اور اپنانے کی خواہش اتنی غالب نہ ہو جانی چاہیے کہ اس انہماک میں ان غریبوں کا حق مارا جائے جو پچاسے دعوت قبول کر کے تربیت و تزکیہ کے لیے مقرر بھی ہیں اور محتاج بھی۔

اور ان کی (کفار کی) بعض جماعتوں کو ہم نے جو مال مستحق کی فراوانی دے رکھی ہے اس کی عزت نظر نہ اٹھاؤ اور نہ ان کے انکار پر غم کھاؤ بلکہ مومنین کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لو اور تم اپنے دل کو ان لوگوں کے ساتھ جماؤ جو صبح و شام اپنے رب کی رضا طلبی میں سرگرم دعا ہیں۔ ان سے غافل ہو کر تمہاری نجا ہیں دنیاوی زندگی کی زینتوں کی منت نہ اٹھیں۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (۸۸- الحجر)
وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهًا
وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (۲۸- الكهف)

اس نے تیری چڑھائی اور منہ پھیرا اس سبب کہ اس کے پاس نابینا آیا اور تمہیں کیا خبر کہ شاید وہ پاکی حاصل کرے یا نصیحت کچھ اور نصیحت اس کو فسخ پہنچائے۔ باقی جو منہ پھیرتا ہے تو تم اس کے پیچھے پڑتے ہو۔

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ
وَمَا يَدْرِيكَ لَعَلَّهِ يَبْزِكُمُ الْوَيْدَانَ كَرُ
فَتَنَفَعَهُ الْوَيْدَانُ كَرُومًا مِّنْ أَمَامِنِ اسْتَفْعَنُ فَاَنْتَ
لَدَلْصَدَىٰ (عبس)

ان تمام آیتوں میں داعی کو اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ جو لوگ دعوت قبول کر چکے ہیں اگرچہ وہ بظاہر تہذیب کے لحاظ سے کم اور حیثیت کے لحاظ سے معمولی ہوں لیکن ان کی تربیت میں جو وقت صرف ہونا چاہیے وہ ان لوگوں کے پیچھے نہیں پر باد ہونا چاہیے جو اگرچہ شان و عظمت رکھتے ہیں اور ان کی شان و عظمت سے دعوت کو فائدہ پہنچنے کی بھی توقع ہو سکتی ہے لیکن وہ گھنٹے کے نشہ میں سرشار اور دعوت سے بیزار ہیں۔

۳۔ جماعتی تربیت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ جماعت جن اصولوں پر بنی ہے جماعت کے کسی گوشہ میں ان سے انحراف یا ہناوت کی بیماری نہ پھیلنے پائے۔ اگر اس قسم کا کوئی فتنہ سراٹھاتا نظر آئے تو جماعت کے رہنماؤں اور ارباب کار کا فرض ہے کہ اس کے پھیلنے سے پہلے اس کے قلع قمع کی فکر کریں اور اس فرض کی

ادائیگی میں نہ مصلحت یعنی مانع ہو نہ رواداری نہ کسی کا خوف اور نہ کسی کی عبت۔ اس امر میں معمولی غفلت کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ظاہر ہوا کہ قوم کا ایک بڑا حصہ خدا پرستی کی جگہ گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گیا۔ اس قسم کے فتنوں کے مقابل میں جماعت کے لیڈروں کو نہ صرف قوی دل ہونا چاہیے بلکہ کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ سخت دل بھی ہوں تاکہ بالکل بے مروت ہو کر ان کو جڑ پیر سے اکھاڑ پھینکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے اندر اپنی غیر موجودگی میں جب شرک کے فتنے کے پھوٹ پڑنے کی اطلاع ہوئی تو سب سے پہلے طور سے واپس آ کر انھوں نے ان لوگوں کو نہایت سختی سے ڈانٹا جو ان کی غیر موجودگی میں قوم کی نگرانی کے ذمہ دار تھے اور جن کی مروت یا رواداری کی وجہ سے اس خرابی کو پھیلنے کا موقع ملا۔ پھر انھوں نے اصلی مجرموں کو خود ان کے قبیلہ کے لوگوں کے ہاتھوں قتل کر دیا تاکہ ہر شخص پر یہ اچھی طرح واضح ہو جائے کہ جو لوگ جماعت کے اندر اس قسم کے فتنے پھیلائیں گے وہ ان لوگوں کی طرف سے بھی کسی رحم یا رواداری کی توقع نہیں کر سکتے جن کے ساتھ وہ خون اور نسب کے قریبی رشتے رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس بت کو بھی ریزہ ریزہ کر کے ناپید کر دیا جو سامری نے بنایا تھا تاکہ اس فتنے کا کوئی ادنیٰ نشان بھی قوم میں باقی نہ رہے اور ساتھ ہی خود سامری کو ایسی عبرت انگیز سزا دی جو اس کے ساتھ زندگی بھر کے لیے چٹ گئی

جماعت کو اس قسم کی خرابیوں سے پاک رکھنے کے لیے اسلام نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ جب جماعت کے بعض افراد میں جماعتی اصولوں سے کوئی انحراف پایا جائے تو پوری جماعت کا فرض ہے کہ اس کی روک تھام اور اصلاح کے لیے کوشش کرے۔ اگر جماعت ایسا نہ کرے بلکہ افراد کو چھوڑ دے کہ جو ان کے جی میں آئے کرتے رہیں تو ان کے جرم کا وبال صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ جماعت کے نامق اور متقی سب اس میں حصہ پاتے ہیں۔ انھیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی حقیقت کشتی کی مثال دے کر سمجھائی ہے کہ اگر ایک کشتی کے مسافر اس شخص کا ہاتھ نہ پکڑیں جو کشتی کے پمپ کے میں سوراخ کر رہا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کشتی ڈوبے گی اور ایک شخص کی شرارت کی سزا سب کو بھگتنی پڑے گی۔

اسی طرح اگر ایک جماعت اپنے اندر کے شریروں سے رواداری برتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ یہ شریر جو آفت ڈھائیں اس میں بلا استثناء پوری جماعت مبتلا ہو۔ قرآن مجید نے اس خطرہ سے ان الفاظ میں آگاہ فرمایا ہے:

وَأَنْتُمْ أَقْبَلْتُمْ لَهَا تَبَسُّوْنَ
مَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَهُوَ كَذَّابٌ عَظِيمٌ
اور اس آیت سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں پر نہیں آئے گی جنہوں نے تمہارے اندر سے ظلم کیا ہوگا (بلکہ دوسرے بھی اس کی پیٹ میں آئیں گے) یاد رکھو اللہ سخت پاداش والا ہے۔

اس فرض کو ادا کرنے کے لیے جماعت کے مختلف مدارج کے لحاظ سے طریق کار مختلف ہوگا لیکن نفس فرض سے جماعت کسی حال میں بھی بری الذمہ نہیں ہوتی۔

ابتدائی مرحلہ میں جب جماعت کو کوئی سیاسی طاقت حاصل نہیں ہوتی، صرف جماعت کا مزاج ان لوگوں کو اپنے اندر سے چھانٹ کر الگ کرتا رہتا ہے جو اس کے اصولوں سے انحراف کرتے ہیں۔ وہ اولاً تو ان لوگوں کو اپنے اندر جگہ ہی نہیں دیتی جو اس کے رنگ میں اچھی طرح رنگے ہوئے نہ ہوں اور اگر کسی طرح اس قسم کے خام لوگ اس کے اندر گھس بھی جاتے ہیں تو جس طرح ایک سلیم المزاج آدمی کے مدیہ کے اندر کھلی قرار نہیں پکڑتی اسی طرح اس قسم کے لوگ اس نظام کے اندر نہیں ٹکتے۔ اگر اس مرحلہ میں کسی جماعت کا یہ حال ہو کہ اس کے اصولوں سے انحراف کرنے والے اس کے اندر آسانی سے پرورش پاسکتے ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جماعت کا کوئی مزاج ہی نہیں بنا ہے اور وہ بہت جلد منتشر ہو کے رہے گی۔

دوسرے مرحلہ میں یعنی جب جماعت کو سیاسی طاقت حاصل ہو جاتی ہے، جماعت کا سیاسی ادارہ اس بات کی نگرانی کرتا ہے کہ اس کے اندر فاسد عناصر پیدا ہونے یا گھسنے نہ پائیں اور وہ اس کی روک تھام کے لیے عام تبلیغی و تعلیمی وسائل کے ساتھ اگر ضرورت سمجھتا ہے تو طاقت کو بھی استعمال کرتا ہے۔ یہ سیاسی ادارہ اگر پوری فرہم شناسی کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کرتا رہے تو پوری جماعت مسؤلیت بری رہتی ہے لیکن اگر خدا نخواستہ یہ بگڑ جائے تو پوری جماعت کا فرض ہوتا ہے کہ اس کی اصلاح کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا علم لیکر اٹھے

اور جب تک اس کی اصلاح نہ کر لے چن کی نیند نہ سوے۔ اس دعوت اصلاح کی حد قرآن مجید نے یحییٰ کی ہے کہ داعیان اصلاح صرف صدائے اصلاح پر قلع نہ ہو جائیں بلکہ مجرمین کے طرز عمل سے انہما بیزاری کر کے ان کے جرائم سے اپنے آپ کو عملاً علیحدہ بھی کر لیں۔

۴۔ جماعتی تربیت کا چوتھا اصول یہ ہے کہ ابتدائے دعوت میں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو تعلیم و دعوت اصل مرکز والی بننے کی تاکید بھی کی جائے اور اس کا سامان بھی بہم پہنچایا جائے۔ جس دور میں جماعت کا مزاج بن رہا ہو اس دور میں مناسب ماحول اور اصل مرکز سے براہ راست استفادہ صحیح تربیت کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیزیں ہیں۔ اس دور میں اگر ان دونوں چیزوں سے غفلت کی جائے تو جماعت کے اندر ایسے لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں جو عقلی اور اخلاقی اعتبار سے اتنے مضبوط ہوں کہ اپنے آپ کو بھی دعوت اصلاحی رنگ میں رنگ لیں اور دوسروں کو بھی اس رنگ میں رنگ سکیں۔ بلکہ اس کے برعکس بیشتر ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جن پر دعوت کا رنگ اتنا ہلکا ہوتا ہے کہ زمانہ کی ایک ہی بھٹی سے گزرنے کے بعد اڑ جاتا ہے۔ اس طرح کے لوگ نہ فہم کے اعتبار سے اتنے پختہ ہوتے کہ دوسروں کے اندر دعوت کا صحیح شعور پیدا کر سکیں نہ سیرت کے لحاظ سے اتنے مضبوط ہوتے کہ ہر طرح کے موافق و ناموافق حالات کے اندر اس دعوت کو جاری رکھ سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک کوئی موثر شخصیت موجود ہوتی ہے لوگوں کے اندر اس دعوت کا چرچا موجود ہوتا ہے لیکن جوں ہی وہ سامنے سے ہٹی سارا ہنگامہ سرور ٹپک گیا۔ اسلام میں ہجرت کا جو حکم دیا گیا اس کے اندر جہاں اور بہت سی حکمتیں ہیں ایک بہت بڑی حکمت یہ بھی تھی کہ تمام مسلمان براہ راست حضور نبی کریم ﷺ کے فیض صحبت کا فائدہ اٹھا سکیں اور ایک سازگار ماحول میں رہ کر اسلام کا رنگ ان پر اچھی طرح چھا جائے۔ جہاں یہ بات ممکن نہ ہو کہ ہر شخص اصل مرکز تعلیم و دعوت براہ راست فائدہ اٹھا سکے ہاں اسلامی دعوت کا کم سے کم مطالبہ یہ ہے کہ ہر گروہ کے ذمہ اور صالح اشخاص کی ٹولیاں مرکز کی تعلیم و دعوت سے استفادہ کے لیے نکلیں اور دین کا فہم حاصل کرنے کے بعد جب اپنی قوم میں لوٹیں تو ان کو دین سے باخبر کریں۔

اور سامنے مسلمانوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ تعلیم کے لیے نکلے تو ایسا

کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک ٹولی نکلتی تاکہ وہ دین کی بصیرت حاصل کر سکیں اور جب لوٹی تو وہ اپنی قوم کو آگاہ کر سکیں تاکہ وہ بھی خدا ترسی کی راہ اختیار کرتے۔ (باقی صفحہ ۲۰۵ پر)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْ كَا

نَفَرٌ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ أَعْلَمَهُمْ يُخَدِّرُونَ (توبہ - ۱۲۲)